قرآن کے ارشادات کو تاویل سے بدلنا اور قرآن کے ارشادات کی گہرائیوں میں جا کر ان کی معقولیت اور صداقت کے نئے دلائل اور براہین کو دریافت کرنا ان دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔ ہماری تحقیق اور تفسیر کا مدعا اوّل الذکر نہیں بلکہ ثانی الذکر ہونا چاہیے۔

جمود خودی کی ایک خصوصیت ہے

کاش کہ مسلمانوں کو اتباعِ شریعت کا مشورہ دینے کی وجہ سے اقبال کو جمود کا طعنہ دینے والے یہ جانتے کہ جمود بھی زندگی کی ایک خصوصیت ہے جو کمال کی جانب زندگی کی حرکت کے لیے ضروری ہے۔ اسی جمود کی وجہ سے زندگی طبعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی قوانینِ قدرت کو غیر مبدل اور لازوال بنانے میں کامیاب ہوئی ہے اور ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ ان پر بھروسہ کر سکیں اور ان سے کام لے سکیں۔ اپنی ہر کامیابی کو جمود سے محفوظ کرنے کے بغیر زندگی اپنی اگلی منزل کی طرف قدم اٹھانے کے لیے آزاد نہ ہو سکتی اور نہ ہی منزل بہ منزل چل کر یہاں تک پہنچ سکتی۔ اور نہ ہی اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ آئندہ جمود سے کام لینے کے بغیر وہ اپنے کمال کو پہنچ سکے گی۔ کاش کہ جدت پر فخر کرنے والوں کو یہ علم ہوتا کہ زندگی حیاتیاتی سطح پر مصروفِ عمل ہو یا نظریاتی سطح پر، اس کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جب وہ مکمل اور مستقل قدر و قیمت کا ایک نمونہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو بار بار اس کا اعادہ کرتی ہے اور اسے موت سے محفوظ رکھتی ہے تاکہ وہ قائم اور موجود رہ کر زندگی کے ارتقائی مقاصد کے لیے کام آ سکے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مکمل اور مستقل قدر و قیمت رکھنے کی وجہ سے وہ اس میں ایسی صلاحیتیں اور خوبیاں پیدا کر دیتی ہے کہ وہ زندہ اور قائم رہتا ہے اور زندگی کے ارتقائی مقاصد کے لیے کام آتا رہتا ہے۔ دراصل زندگی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس جہانِ مکافات میں اترنے کے بعد خواہ وہ حیاتیاتی سطح پر کارفرما ہو یا نفسیاتی اور انسانی سطح پر، وہ موت کا شکار نہیں ہوتی بلکہ اپنی کامیابیوں کو ان کی اصلی حالت پر قائم رکھ کر موت کا شکار کرتی ہے۔ جب موت زندگی کے مقابلہ پر آتی ہے تو زندگی کی قوت کے سامنے سنبھل نہیں سکتی۔

اتر کر جہانِ مکافات میں
رہی زندگی موت کی گھات میں

ہوا جب اُسے سامنا موت کا
کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا

جس طرح حیاتیاتی سطحِ ارتقاء پر زندگی موت پر غالب آنے کے لیے جسمانی توالد کو ایک ذریعہ بناتی ہے اُسی طرح وہ نفسیاتی سطحِ ارتقاء پر موت کو مغلوب کرنے کے لیے نظریاتی توالد کو ایک ذریعہ بناتی ہے لیکن جس طرح سے جسمانی توالد کسی نوعِ حیوانی کے جدِ اول کے جسمانی نمونہ کے مطابق ہی ہوسکتا ہے اُسی طرح سے نظریاتی توالد بھی کسی نظریاتی جماعت کے بانی کے نظریاتی نمونہ کے مطابق ہی ہوسکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ رسُول اللہؐ کی زندگی میں تمہارے لیے ایک اچھا نمونہ ہے (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) حضورؐ کی زندگی ہمارے لیے ایک اچھا نمونہ اسی لیے ہے کہ یہی وہ نمونہ ہے جو قائم رہنے والا، آگے جانے والا اور ارتقاء کے مخفی مقاصد کو پورا کرنے والا ہے۔

سچّا اسلام محفوظ ہے

سچا اسلام وہی ہے جو رحمۃ للعالمینؐ نے اپنے ساتھیوں کو دیا تھا اور جو آپ کی وفات سے پہلے ان کے اعتقاد اور عمل میں محفوظ ہو گیا تھا اور جو اب کسی تبدیلی کے بغیر تواتر اور توارث سے ہم تک پہنچا ہے۔ اگر تاریخ کے کسی نکتہ پر وہ اسلام مٹ گیا تھا اور اس پر کاربند ہونے والا کوئی انسان بھی باقی نہیں رہا تھا تو اب کوئی بڑا سے بڑا ہوشیار اور ماہرِ نظریات مفسر اور مجتہد بھی اسے دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا کیونکہ زندگی ہمیشہ زندگی سے پیدا ہوتی ہے، موت سے کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ تسلسل جس طرح سے ایک نوعِ حیوانی کی بقاء کے لیے ضروری ہے اسی طرح سے ایک نظریاتی جماعت کی زندگی کے لیے بھی ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی نوعِ حیوانی مثلاً گھوڑے یا اونٹ کی نسل جب مٹ جائے تو کوئی بڑے سے بڑا ماہرِ حیاتیات بھی اسے دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا۔ چنانچہ یہ کہنا سراسر جھوٹ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑا ہوا اسلام کسی وقت مٹ گیا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ بار بار رونما ہونے والے سخت مشکل حالات کے باوجود مسلمانوں پر ایسا وقت کبھی نہیں آیا جب ان میں ایسے لوگوں کی کمی رہی ہو جو حضور اور آپؐ کے ساتھیوں کے نمونہ کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوں۔

رحمۃ للعلمین کی اُمت کے ایک گروہ کے اعتقاد و عمل کا اپنی اصلی حالت پر تاقیامت موجود رہنا زندگی کی خصوصیات کی بنا پر بھی یقینی اور ضروری تھا۔ لیکن اس کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور پیشگوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کا ایک فرقہ تاقیامت حق پر موجود رہے گا۔ اور وہ وہی ہوگا جو میرے اور میرے صحابہؓ کے اعتقادات اور اعمال کے نمونہ کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔

شریعت کی پوری پابندی خودی کی ضرورت ہے

غرض خودی کی فطرت کے تمام حقائق ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ اگر مسلمان اس کائنات میں اپنا وہ مقام پانا چاہتے ہیں جو خدا نے ان کے نظریۂ حیات کی کاملیت کی بنا پر ان کے لیے مقدّر کیا ہے تو ان کو چاہیے کہ اپنے بزرگوں کی طرح خدا کی محبت کو اپنے تمام اعمال کا سرچشمہ بنائیں۔ اور اس غرض کے لیے رسولؐ کی عملی زندگی کے نمونہ کو اپنا راہ نما قرار دیں۔

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفٰےؐ رو

زندگی کی خصوصیات کی بنا پر رحمۃ للعلمین کی مکمل عاشقانہ اطاعت کی جو اہمیت ثابت ہوتی ہے اسی کے پیش نظر اقبال وردِ کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ایسے ارکانِ اسلام کی پابندی پر زور دیتا ہے۔

لا الٰہ باشد صدف، گوہر نماز — قلبِ مسلم را حجِ اصغر نماز
در کفِ مسلم مثالِ خنجر است — قاتلِ فحشا و بغی و منکر است
روزہ بر جوع و عطش شبخوں زند — خیبرِ تن پروری را بشکند
مومناں را فطرت افروز است حج — ہجرت آموز و وطن سوز است حج
طاعتے سرمایۂ جمعیتے — ربطِ اوراقِ کتابِ ملتے
حُبِّ دولت را فنا سازد زکوٰۃ — ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل ز حتّٰی تُنفِقُوا محکم کند — زر فزاید الفتِ زر کم کند
ایں ہمہ اسبابِ استحکامِ تست — پختہ محکم اگر اسلامِ تست

صالحینِ سلف کے مسلک کی تقلید کا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے اعتقاد و عمل کا اضمحلال

دور ہوگا اور ان میں خیالات کی ہم آہنگی اور عمل کی یک جہتی پیدا ہوگی۔

مضمحل گردد چو تقویمِ حیات
ملّت از تقلید مے گیرد ثبات
راہِ آبا رو کہ ایں جمعیّت است
معنیٔ تقلید ضبطِ ملّت است

اے پریشاں محفلِ دیرینہ ات
مُرد شمعِ زندگی در سینہ ات
نقش بر دل معنیٔ توحید کن
چارۂ کارِ خود از تقلید کن

عالمانِ کم نظر کا خطرناک اجتہاد

اعتقاد و عمل کے انحطاط کے زمانہ میں بے بصیرت اور کم نظر عالمانِ دین کا اجتہاد غلط نظریات و تصوّرات کو تقویت پہنچاتا ہے اور قوم کے اعتقاد اور عمل کو اور مضمحل کرتا ہے۔ اپنے ایمان اور عمل کی حفاظت کے لیے اس اجتہاد سے تو یہ بہتر ہے کہ ان بزرگوں کی پیروی کی جائے جو رحلت کر چکے ہیں۔

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط
قوم را برہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر
عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست
کارِ پاکاں از غرض آلودہ نیست
فکرِ شاں ریسد ہمے باریک تر
ورعِ شاں با مصطفےٰ نزدیک تر

اس زمانہ میں جو مسلمان اجتہاد کے طلب گار ہیں ان کا مقصد دراصل یہ ہے کہ قرآن کی تاویل سے اسلام کو بدل کر اسے اُن جدید مغربی غیر اسلامی نظریات یا اصنامِ فرنگی کے مطابق کر دیں جو ان کو اپنی نادانی کی وجہ سے پسند ہیں اور اس طرح سے گویا ایک نئی شریعت وجود میں لائیں لیکن ظاہر ہے کہ دوسرے مسلمان اس خطرناک ہمّت آزمائی میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ البتہ اس قسم کا اجتہاد کر کے وہ خود ہی اس پر بلا روک ٹوک عمل کریں۔ حرّیتِ افکار کے اس زمانہ میں یہ ان کا پیدائشی اور خداداد حق ہے، جس سے ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حرّیتِ افکار کی نعمت ہے خداداد
چاہے تو کرے کعبہ کو آتشکدہ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد!
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد!

ایسے مصلحینِ اسلام کے متعلق اقبال لکھتا ہے:۔

"ہمارے مذہبی اور سیاسی مصلحین سے خطرہ ہے کہ اگر ان کے نوجوانانہ جوشِ تجدد پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی تو وہ اصلاح کی صحیح حدود سے تجاوز کر جائیں گے:

ایک جگہ وہ لکھتا ہے:۔

"میں قدامت پسند ہندوؤں کے اس مطالبہ کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہوں کہ انہوں نے نئے دستور میں مذہبی مصلحین کے خلاف تحفظات مانگے ہیں اور سچ بات تو یہ ہے کہ یہ مطالبہ سب سے پہلے مسلمانوں کی طرف سے پیش ہونا چاہیے تھا۔"

("اقبال کی تقریریں اور بیانات" شملو، ۱۹۴۸ء صفحہ ۹۸)

"ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اسلام میں تجدّد کا ظہور تاریخ اسلام کا نازک ترین دَور ہے۔ تجدّد کے اندر اس بات کا رجحان موجود ہے کہ وہ ایک طرح کا اضمحلال ثابت ہو۔"

مصطفےٰ کمال پر نکتہ چینی

اقبال کو مصطفےٰ کمال کی نام نہاد اصلاحات بجا طور پر سخت ناپسند تھیں کہتے ہیں کہ جب ایک سربرآوردہ ہندی مسلمان نے مصطفےٰ کمال سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا کیا ہے کہ خلافت کے اعزاز کو خود بخود چھوڑ دیا ہے، اپنی ریاست کو لادینی بنا دیا ہے، عربی رسم الخط کی بجائے لاطینی رسم الخط اختیار کر لیا ہے اور پردہ ہٹا دیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ "ہم یورپ کی عیسائی قوموں کے قریب رہتے ہیں۔ وہ ہمارے دشمن اِسی لیے تھے کہ ہماری ریاست اسلامی ہے اور ہم قبائے خلافت پہن کر دنیائے اسلام کی قیادت کر رہے تھے۔ ہم نے مذہبی ریاست کی علامات کو دُور کر دیا ہے اور یورپین اقوام کے طور طریقوں کو اختیار کر لیا ہے تاکہ یہ لوگ ہمیں ترقی یافتہ سمجھیں اور ہماری مخالفت سے درگزر کریں۔" اقبال نے اس پر بڑے افسوس سے لکھا کہ تعجب ہے کہ وہ ترک قوم جن کا مقام مسلمان ہونے کی وجہ سے بلندی میں ستاروں سے بھی زیادہ قریب ہے، اس بات پر فخر محسوس کر رہے ہیں کہ وہ پستی میں ڈوبی ہوئی راہ گم کردہ عیسائی قوموں کے ہمسائے ہیں۔

سنا ہے میں نے سخن رس ہے ترکِ عثمانی
سنائے کون اسے اقبال کا یہ شعرِ غریب!
سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب!

بھلا وہ فرنگی تہذیب جو خود بے دین اور بے خدا ہونے کی وجہ سے قبر کے کنارے تک پہنچ چکی ہے دنیائے اسلام کو زندہ کیسے کر سکتی ہے۔

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیّت کہ جو ہے خود لبِ گور!

مصطفےٰ کمال نے لادینی اور لاطینی کو اپنی قوم کی حفاظت کے لیے ضروری سمجھا۔ افسوس کیسی الجھن میں پڑ گیا۔ اسے معلوم نہیں کہ ناتوانوں کا علاج خدا پر بھروسہ کرنا اور خدا سے مدد

مانگتا ہے جس کی طرف خدا ہوگا وہی غالب رہے گا کیونکہ خدا سب پر غالب ہے۔

لادینی ولاطینی! کس پیچ میں اُلجھا تو!
دارو ہے ضعیفوں کا لَاغَالِبَ اِلَّا ھُوَ

"جاوید نامہ" میں اقبال مصطفےٰ کمال پر اور بھی چبھتا ہوا اعتراض کرتا ہے۔ مصطفےٰ جو تجدّد کا راگ الاپتا رہا ہے، کہتا تھا کہ پُرانی باتوں کو مٹا دینا چاہیے۔ لیکن اگر کعبہ میں فرنگی بُت رکھ دیئے جائیں تو اس سے کعبہ کا سامان نیا نہیں ہو جاتا۔ ترکوں نے اپنی تجدّد پسندی سے آخر کون سی نئی بات پیدا کی ہے۔ جن چیزوں کو وہ دنیا کہتے ہیں، وہ وہی افرنگیوں کی پُرانی اور پامال چیزیں ہی تھیں

مصطفےٰ کو از تجدّد مے سرود — گفت نقشِ کہنہ را باید زدود
نو نگردد کعبہ را رختِ حیات — گر ز افرنگ آیدش لات و منات
تُرک را آہنگِ نو در چنگ نیست — تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست

خلافت سے دستبردار ہو جانا مصطفےٰ کمال کی دُور اندیشی نہیں تھی۔ بعض غیر مسلم قومیں تو اپنی عیّاری سے بلا استحقاق مسلمانوں کی قیادت اور سرپرستی کا دعویٰ کرتی ہیں اور اپنی سیاسی اغراض کی بنا پر چاہتی ہیں کہ مسلمان ان کا یہ دعویٰ قبول کر لیں۔ اِدھر ترکوں کا یہ حال ہے کہ مسلمان ان کو اپنی سیادت اور قیادت باصرار سونپتے ہیں اور وہ انکار کرتے ہیں۔

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیّاری بھی دیکھ

پنڈت نہرو کے جواب میں اقبال نے لکھا:۔

"سوئٹزرلینڈ کے قانون کو جس میں وراثت کا قانون بھی شامل ہے اختیار کرنا یقیناً ایک شدید غلطی ہے جو نوجوانوں کے اصلاحی جوش و خروش سے پیدا ہوئی ہے۔"

(تقاریر و بیانات صفحہ ۱۳۶)

اسی طرح سے ترکیہ کے اس قانون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس کی رُو سے اذان اور قرآن کا ترکی زبان میں پڑھنا ضروری ہے، اقبال لکھتا ہے:۔

"ذاتی طور پر میں اس فیصلہ کو ایک شدید غلطی قرار دیتا ہوں۔" (تقاریر بیانات صفحہ ۱۳۵)

ضربِ کلیم میں اقبال صاف طور پر بتاتا ہے کہ مصطفٰے کمال کی اصلاحات اہلِ مشرق کے لیے کوئی قابلِ تقلید مثال نہیں ہیں۔ اسی طرح سے رضا شاہ پہلوی کی مثال بھی اہلِ مشرق کی آرزوؤں کی تشفی نہیں کر سکتی۔

مری نوا سے گریبانِ لالہ چاک ہوا
نسیمِ صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی
نہ مصطفٰے نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

طالبانِ علمِ دین کے لیے وقیع تحفہ!

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی دو معرکۃ الآرا تصانیف:

(۱) اقسام القرآن

(عمدہ دبیز کاغذ ۲۲ × ۲۹ / ۸ سائز کے ۶۴ صفحات)

(۲) ذبیح کون ہے؟

(عمدہ دبیز کاغذ بڑے سائز کے ۸۸ صفحات)

ہمارے مکتبے میں محدود تعداد میں دستیاب ہیں

ان موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے علم دوست حضرات

یہ دونوں رسائل **بلا قیمت** صرف ڈاک خرچ بھیج کر

ہمارے ادارے سے حاصل کر سکتے ہیں۔

نوٹ: بذریعہ بک پوسٹ رسائل منگوانے پر ۲/۰ روپے اور رجسٹرڈ بک پوسٹ کی صورت میں ۹/۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ روانہ کیجیے۔

ملنے کا پتہ، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰

لغات واعراب قرآن (۲۰)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۱۵)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲: ۵: ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرۃ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲: ۵: ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرۃ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۱۵ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ط كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ قلا وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

۲ : ۱۵ : ۱ اللغہ

۲ : ۱۵ : ۱ (۱) [يَكَادُ] کا مادہ "ك و د" اور وزن اصلی "يَفْعَلُ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "يَكْوَدُ" تھی جس میں حرف علت (و) کی حرکت (ـَ) اس کے ماقبل حرف صحیح (ك) کو دی جاتی ہے اور پھر یہ (و) اپنے سے ماقبل کی حرکت فتحہ (ـَ) کے موافق حرف (الف) میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے۔ تعلیل کے بعد اب اس کا وزن "يَفَالُ" رہ گیا ہے۔

اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "كَادَ يَكُودُ كَوْدًا" (باب نصر سے) بمعنیٰ "مَنَعَ" (روکنا) آتا ہے۔ تاہم اس باب سے اس فعل کا کوئی صیغہ قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا ـــــ زیادہ تر یہ باب سمِعَ سے "كاد يكاد كَوْدًا" (دراصل كوِدَ يَكْوَدُ) آتا ہے اور یہ افعالِ مقاربہ میں سے ہے۔ یعنی یہ ایک طرح کا فعل ناقص ہے جس کا "اسم" مرفوع اور "خبر" ہمیشہ کوئی فعل مضارع مرفوع (یا کبھی کبھار منصوب "بأَن") ہوتا ہے۔ اور یہ کسی فعل کے ہونے یا نہ ہونے کے بس قریب ہی آلگنے کا پتہ دیتا ہے اور اس کے استعمال کے کچھ مقرر قواعد ہیں[1]۔ اور خود یہ فعل (کاد) ماضی مضارع مثبت منفی ہر طرح کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً "كاد يفعلُ" (وہ کرنے ہی لگا تھا) یا "يكادُ يفعَلُ" (وہ کرنے ہی لگا ہے)، "مَا كاد يفعل" (لگتا نہیں تھا کہ کرے گا) اور "أن" لگا کر اسے "كاد یا مَا كادَ أن يفعَلَ" بھی کہہ سکتے ہیں تاہم قرآنِ کریم میں یہ (أنْ والا استعمال) کہیں نہیں آیا۔ یہاں آیت زیرِ مطالعہ میں "يكاد" کی خبر "يخطَفُ" ہے جس کے معنی پر ابھی بات ہوگی۔

● کبھی یہ فعل (کاد) "أَرَادَ" (ارادہ کرنا) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر جس فعل (کام) کا ارادہ ہو اس کا بھی فعل مضارع ہی اس (کاد یکاد) کے ساتھ اسی طرح استعمال ہوتا ہے جیسا کہ بطور فعل مقارب (اس کے ساتھ

---

[1] جو اگر مستحضر (یاد) نہ ہوں تو نحو کی کسی کتاب سے "افعال مقاربۃ" کے بیان میں دیکھ لیجئے۔